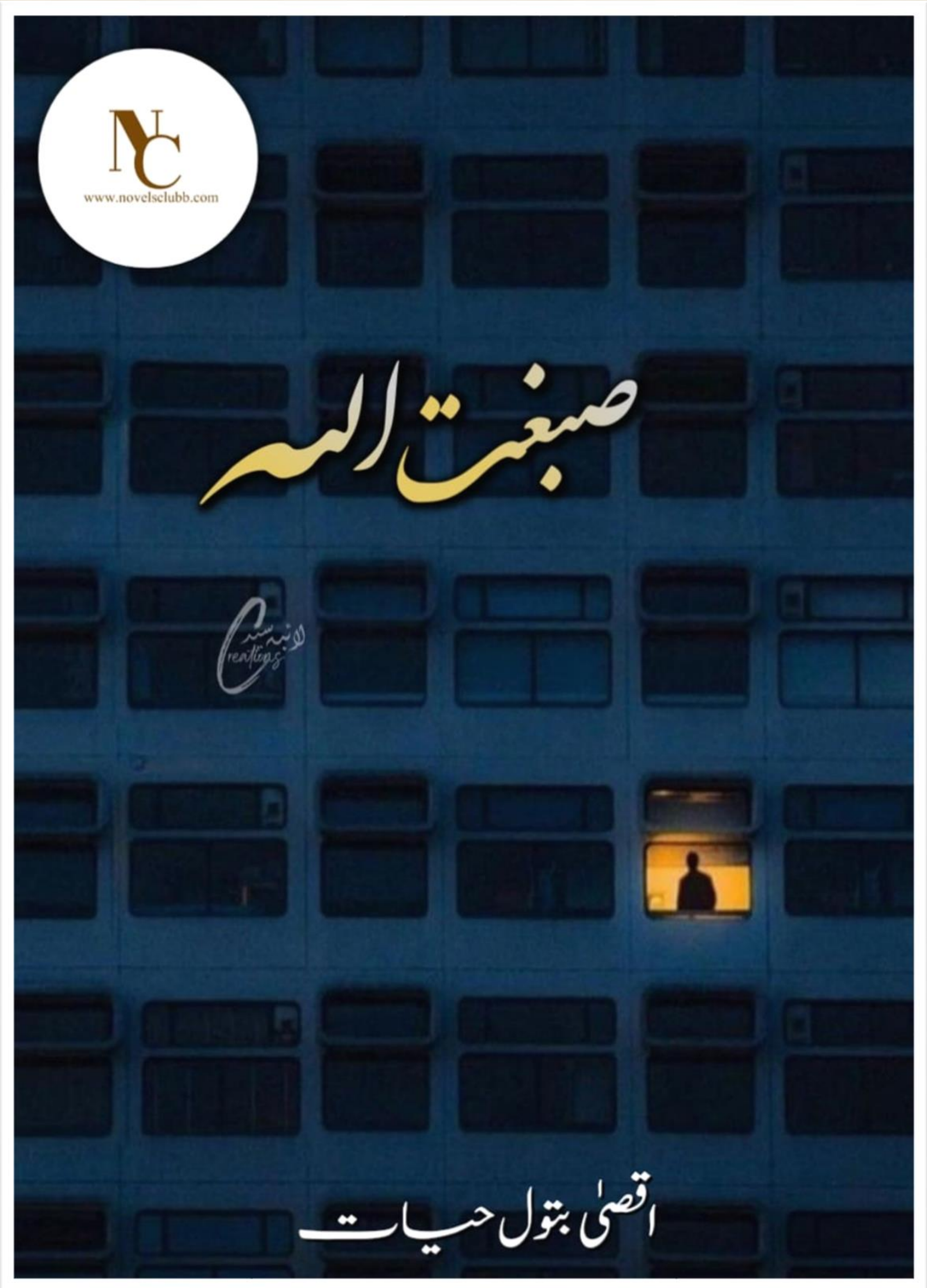
www.novelsclubb.com
صبغت اللہ
اقصیٰ بتول حیات

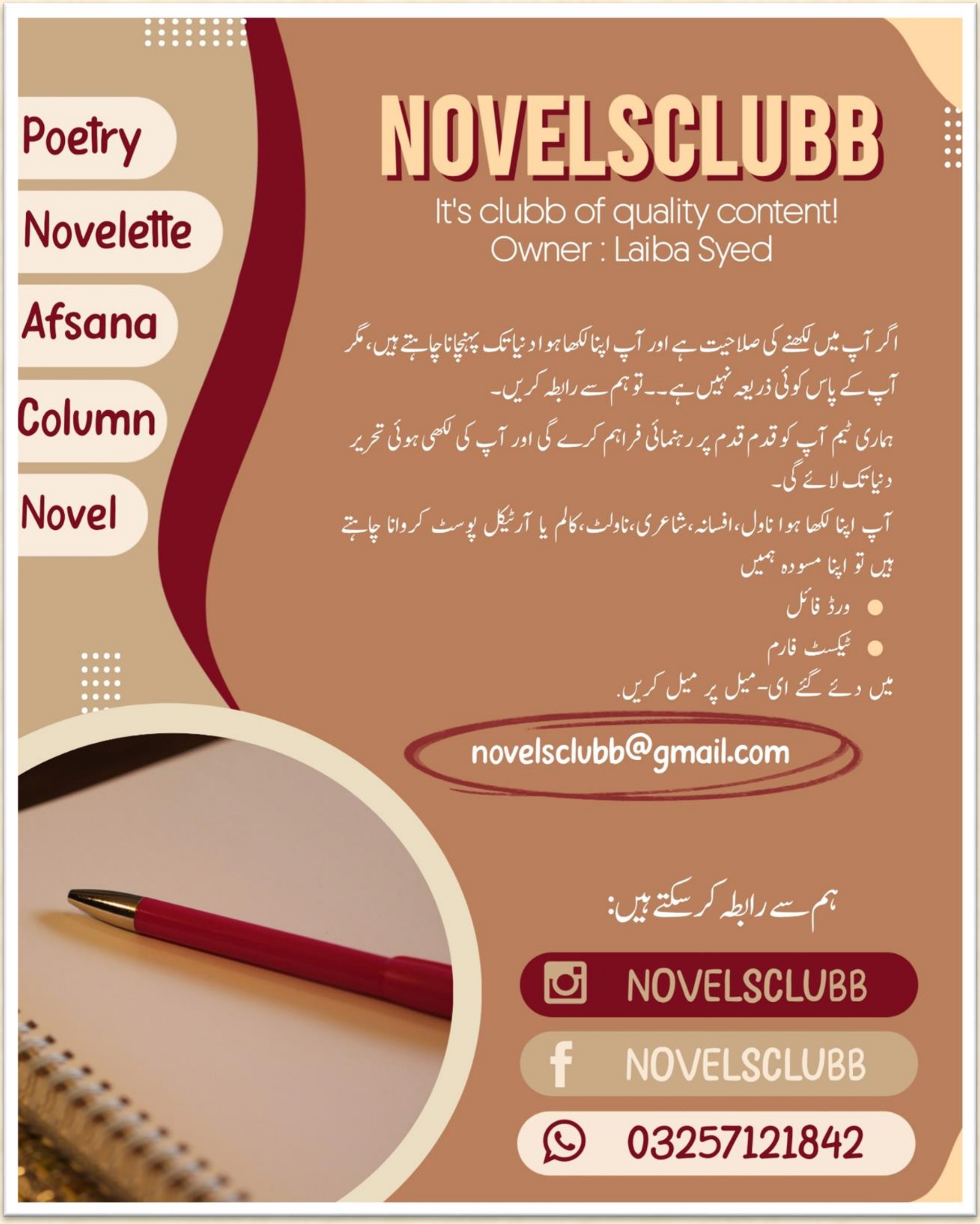

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

صبغت اللہ

از قلم

اقصیٰ بتول حیات

Clubb of Quality Content!

انتساب

اللہ کے نام

وہ جو مالک کائنات ہے جس کا رنگ ہر

رنگ دائمی ہے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پیش لفظ:

اسلام علیکم !

امید ہے کہ آپ سب خیر وعافیت سے ہوں گے۔ صبغت اللہ بنیادی طور پر میری تیسری تحریر ہے جس کو دھندلی ہوتی آنکھوں، بوجھل دل اور تھکے ہوئے اعصاب کے ساتھ میں نے مشکل سے مکمل کیا ہے۔ **صبغت اللہ** کا کردار مکمل طور پر ایک حقیقی شخصیت سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے البتہ کچھ واقعات فرضی ہیں۔ شائد میں بہت کچھ چاہ کر بھی اس کہانی میں نہیں لکھ پائی ہوں مگر میں اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر آپ کتابیں اس سوچ کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ وہاں کوئی تحریر صدیوں سے مدفن آپ کی منتظر ہو گی تو آپ **صبغت اللہ** کی کہانی سے کچھ نا کچھ ضرور سیکھیں گے۔

دعاؤں کی طلب گار

اقصیٰ بتول حیات

@aqsabatoolhyyat

یہ ایک سال قبل کی بات ہے جب سردیاں اپنے عروج پر تھیں۔ان دنوں نُورپور میں جاڑے کی سردی خون جما دینے والی تھی۔تاحد نگاہ دھند اور رات کے باعث فقط تاریکی تھی۔انسانی قد تک آتیں جوار کی لمبی فصلیں اندھیرے میں ڈوبی خوفناک سائے کی طرح لگ رہی تھیں۔

وہ فجر کی آزان سے چند ساعتیں پہلے کا وقت تھا۔ سیاہ چادر اپنے گرد لپیٹے ایک آدمی تنگ سی پگنڈنڈی پر احتیاط کے ساتھ قدم رکھتے چل رہا تھا۔اس کے آس پاس کوئی روشنی نہیں تھی البتہ دور گاؤں کے کچھ گھر روشن تھے۔ وہ روشن گھر تاریکی میں ڈوبے لوگوں کے تھے۔اندھیرے میں بھی اس شخص کو تنگ راستے پر چلنے میں کوئی دشواری نہیں ہورہی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز کے ساتھ کسی وقت اس کے کھانسنے کی شدید آواز بھی شامل ہوجاتی تھی۔ کھیتوں کے بیچ

سے گزرتے اس کا رخ نہر کی جانب تھا۔ نہر کچی تھی جس پر کوئی خاص پل نہیں بنا ہوا تھا۔ ارد گرد اونچے درختوں کی بہتات تھی۔ تاریکی کے باعث وہ ہولناک لگ رہے تھے۔

اس پر کسی دیوانے کا گمان ہوتا تھا جو اپنے محبوب سے ملنے کے لیے بے تاب ہو۔ ایک بار وہ ظالم نہر عبور ہو جائے بس پھر رکاوٹ ختم ہوتے ہی ملاقات ممکن ہو جاتی۔ قریب جا کر چند پل وہ یوں ہی نہر کے پانی کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے پانی پر کہیں کہیں کائی جمی ہوئی تھی۔

قدرے کم پانی والی جگہ پر گاؤں کے لوگوں نے چند بانس اور گھاس پھیلا کر پل عبور کرنے کے لیے عارضی راستہ بنایا ہوا تھا۔ جب سے وہ بیمار رہنے لگا تھا صحت تیزی سے گر رہی تھی۔ پہلے کی بانسبت وہ کمزور ہو گیا تھا۔ قدموں میں پہلی سی جان نہیں رہی تھی کہ وہ آسانی سے عبور کر جائے۔

اس پل کو عبور کرنے کے لیے اسے بچوں کے مانند رینگ کر جانا تھا۔ لیکن کوئی شے، کوئی رکاوٹ اسے وہاں جانے سے روک نہیں سکتی تھی جہاں اس کی منزل تھی۔

رات کے اس پہر گاؤں کے قریباً سارے باسی لحاف میں دبکے اپنے گھروں میں بند ہوں گے۔ یوں بھی وہاں جلدی سونے کا رواج تھا اور سردی کے باعث لوگ کچھ اور جلدی اپنے کام نمٹا کر

Clubb of Quality Content!

گھروں کا رخ کرتے تھے۔اس نے ایک طرف سے اپنی چادر اوپر کرتے مزید اپنے گلے کے گرد لپیٹا۔وہ خستہ حال چادر اسے سردی سے نہیں بچا رہی تھی مگر وہ بے نیاز تھا۔اس بیماری میں دس کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو وہاں آنے کا تصور بھی نہ کرتا۔

سالوں ہوئے وہ اسی راستے کا مسافر تھا۔وہ راستہ جو اس کے محبوب کے گھر کی طرف جاتا ہے۔

بچوں کی طرح رینگتے خود کو گھسیٹ کر وہ اس پل کو عبور کرتا گیا۔

جسے لوگ دن کے وقت بھی انتہائی مجبوری میں عبور کرتے تھے صبغت اللہ رات کی تاریکی میں بیماری اور سخت سردی کے باوجود اسے رینگتے ہوئے عبور کر چکا تھا۔

کیونکہ وہ صبغت اللہ تھا۔گاؤں والے کہتے تھے اگر یہ پل نہ ہوتا تو صبغۃ اللہ سردی میں جھاگ کر بھی نہر کے پار جانا شروع کر دیتا۔بارش، جاڑا، آندھیاں، طوفان کوئی شے آج تک اسے روک نہ پائی تھی۔

کنارے تک آتے اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔سب کہتے تھے اسے اب یہاں نہیں آنا چاہیے کیونکہ وہ بیمار رہنے لگا ہے مگر وہ آتا تھا۔ گھسیٹتے وجود کے ساتھ پل عبور کرتے اس کے ہاتھ ہلکے سے زخمی ہوئے تھے۔ان دنوں اس کی بیماری زیادہ نہیں تھی۔گھر والوں کے نزدیک وہ بڑتی

ہوئی عمر کی علامات تھیں۔ سردی کی وجہ سے ہاتھوں میں تکلیف تھی جو سردی کے باعث مزید محسوس ہو رہی تھی مگر وہ کیفیت جس میں وہ گھر آج بھی اس کے سامنے ہوتا تھا اس کے لیے ہر تکلیف اس کے سامنے ہیچ، ساری دنیا کی آسائشیں خاک، مخملی نرم گداز بستر آگ۔۔۔

سفید اور سبز ستونوں والا وہ گھر اس کے سامنے تھے۔ پلکوں کی باڑ توڑتے کئی اشک داڑھی بھگونے لگے۔

وہ روتے ہوئے اندر داخل ہو رہا تھا۔

وہاں صبغت اللہ اور اس کے محبوب کے سوا کوئی نہیں ہوگا اسے یقین تھا اور واقعی سفید دروازہ عبور کرتے اندر داخل ہونے پر ویرانی نے اسے خوش آمید کہا تھا۔

وہاں کے ستون، قالین سب اس کے مانوس تھے۔

صبحت اللہ کو اس جگہ سے کوئی بے انتہا محبت تھی کیونکہ وہ گھر اس کے محبوب کا گھر تھا۔ وہ گھر اللہ کا گھر تھا۔ ساری زندگی اس نے محبوب کو راضی کرنے میں گزار دی تھی۔ لوگ کہتے تھے صبغت اللہ دعا کرے تو بنجر ویران زمینیں پھل پھول اگلنے لگ جائیں، بیاباں سیراب ہونے لگیں گے۔ مسجد کے داخلی کواڑ کھلے تھے۔ اندر داخل ہوتے تھکے ہوئے قدموں سے وہ ایک جانب چل دیے تھے۔

مسجد کے ستون رات کے تاریکی میں چمک رہے تھے۔ میناروں پر نصب روشنیاں مدھم تھیں۔ ایک دو جگہ چراغ جل رہے تھے۔

وہ تہجد کا وقت تھا۔ اس سردی میں فجر کے لیے آنے والوں کی تعداد قلیل ہوتی تھی کجا تہجد کے لیے کسی کا آنا۔ ہاں وہ واحد تھے جو کئی سال سے نہر کا وہ عارضی پل عبور کرتے تہجد کے وقت آیا کرتے تھے۔ جوانی اسی راستے پر بوسیدہ ہوئی تھی۔ حقیقی محبوب کی خاطر جوانی بوسیدہ کر دی جائے تو غم نہیں بنتا جنت کی نوید بنتی ہے۔

وضو کے لیے علیحدہ برآمدہ بنا ہوا تھا جس کے اندر قطار میں کئی چھوٹی موٹریں نصب تھیں۔ شال ایک طرف اتار کر رکھتے وہ برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئے۔ ان کی شال پر خون کے چند قطرے گرے تھے۔ وہ کھانستے تو ان کے منہ سے خون آتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اللہ کے رنگ میں رنگاوہ شخص سردی کی پرواہ کیے بغیر چھلے ہوئے گھٹنوں اور بیمار وجود کے ساتھ وضو کر رہا تھا۔

وضو کے دوران آنکھوں سے بہتے اشک ان کی سفید داڑھی بھگوتے جارہے تھے۔

ان کا چہرا پر نور تھا، روشن سا بیضوی چہرہ۔ آنکھیں بھوری اور رنگ بے حد سفید تھا۔ بیماری کے باوجود ان کی رنگت میں ابھی کچھ خاص فرق نہ آیا تھا۔

ایسا روشن چہرہ رکھنے والے انسانوں سے ہم زندگی میں بہت کم بار ملتے ہیں۔ مل جائیں تو ان کے سحر سے باہر آنے میں ایک عمر لگ جاتی ہے۔ وضو مکمل کرتے وہ اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے۔

Clubb of Quality Content!

مسجد کی درودیوار نے انہیں ہاتھ بلند کرتے پھر نیت کرتے دیکھا۔ وہ منظر نیا نہیں تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ شخص عین اسی وقت اسی جگہ آرہا تھا۔ وہاں کی ہر شے اس سے گہری مانوسیت رکھتی تھی، اجنبیت کسی کونے میں جاسوتی تھی۔ انسان جس طرح جگہوں سے مانوس ہو جاتے ہیں وقت کے ساتھ ان کی طرح شائد دیگر چیزیں اور عمارتیں بھی وقت کے ساتھ ان سے انسیت محسوس کرنے لگتی ہیں، ان سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔

یہ ایک سال بعد کا واقعہ ہے۔ میں شہر سے اس بار گھر کئی دن بعد واپس آئی تھی۔ عید کے بعد سالانہ پرچے تھے جن کی تیاری کے لیے مجھے کچھ دن ملے تھے۔ شہر کی پر رونک جگہ بے رونک لوگوں کے بیچ رہ کر تیاری کرنے کی بجائے ہر بار کی طرح میں گھر بھاگ آئی تھی۔ مجھے شہر کی وہ زندگی پسند نہیں تھی لیکن کچھ پسندیدہ خوابوں کے باعث انسان کو ناپسندیدہ جگہیں اور لوگ جھیلنے پڑتے ہیں۔ جھیل لینا چاہیے۔ خواب پورے ہو جائیں تو زندگی سہل ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی وہ خواب صرف میرا نہیں تھا بلکہ میرے ساتھ کئی اور لوگوں کا بھی تھا۔

ان دنوں میں ایسی ہی تھی اور کسی حد تک اب بھی ہوں۔ مجھے شہر نہیں پسند آتے تھے۔ اکثر وہاں کی تیزی میرے لیے گھٹن کا باعث بننے لگتی تھی۔ شائد سارے شہر ایسے نہیں ہوں گے مگر جہاں

میں مقیم تھی وہاں کا نقلی پن اور تلخ مزاج موسم میرے اندر ڈھیروں اداسی بھر دیتے تھے جو بس ایک بار واپس گاؤں آجانے پر بہت حد تک دور ہو جاتی تھی۔

اپنے کمرے میں سفری سامان رکھتے میں ماں کے پاس آئی تھی۔ چند گھنٹے ہی بمشکل گزریں ہوں گے اور میں وہاں آچکی تھی۔ وہ گھر جو میرے اپنے گھر کے بعد میرا سب سے پسندیدہ گھر تھا۔ وہاں ہر بار آمد پر ڈھیروں محبت اور مخلصی ہمیشہ میری منتظر ہوتی تھی۔ وہ میرے ماموں کا گھر تھا۔ وہ لوگ میرا استقبال یوں کرتے تھے جیسے میں پہلی بار ان کے ہاں آئی ہوں پھر بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

"صبغت اللہ بہت بیمار ہیں ماہگل اور تمہارے گھر سے ان کی عیادت کے لیے کوئی نہیں گیا۔ جب تم بیمار تھی وہ وقت یاد کرو اور سارا گاؤں جانتا ہے تمہاری اماں کو نہر میں ڈوبنے سے صرف صبغت اللہ نے بچایا تھا۔"

پہلی ملاقات کے وقت ہی بھری محفل میں مجھے یہ بتانے والی مہر تھی۔ وہ میری اچھی دوست اور ماموں زاد بہن تھی اور ہماری آپس میں بہت بے تکلفی تھی۔

خربوزوں کی طرف بڑھتا میرا ہاتھ شل سے انداز میں پہلو میں جا گرا تھا۔

''صبغت اللہ پھر بیمار ہے۔'' میں ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

''لیکن مہر وانہیں کیا ہونا ہے؟ وہ تو بھلے چنگے تھے، انہیں بس بڑتی عمر کی وجہ سے کھانسی تھی۔''

''مجھے نہیں معلوم مگر وہ تو پچھلے جاڑے سے اکثر بیمار ہی رہتے ہیں۔ گاؤں والے کہتے ہیں کوئی بڑا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ تمہاری ان سے انسیت ہے تو بس تم اپنی اماں کے ساتھ جا کر عیادت کر لو۔ شائد وہ بھی تمہاری وجہ سے ابھی تک نہیں گئیں ہوں گی۔''

تھوڑی دیر ہی مزید میں وہاں سب کے بیچ بیٹھی تھی پھر واپس اپنے گھر چلی آئی۔

یہ سخت گرمیوں کے دن تھے۔ صبغت اللہ ایک سال سے بیمار رہتے ہیں مجھے معلوم تھا۔ میں شہر سے ان کے لیے اکثر کھانسی کے سیرپ بھیج دیتی تھی۔ ان کو کوئی مرض لاحق ہو گیا ہے جس کی خبر سارے گاؤں میں پھیل چکی ہے لیکن کبھی مجھے معلوم تک نہیں ہوا۔ میں حیرانی تھی۔

میں تعلیم کے غرض سے اکثر بڑے شہروں میں ہی رہتی تھی۔ بہت شروع سے ہی شہر سے واپس گھر آتے ساتھ ہی میں یہاں اپنے ماموں کے گھر آجایا کرتی تھی۔ وہاں آکر ساری کلفت دور ہو جاتی تھی مگر آج میں بے دلی سے واپس گئی تھی۔

اگلا دن عید کا تھا۔ میں خاموش سی تھی۔

ساری زندگی عید کے دن علی الصباح تیار ہونے والی ماہگل اس بار دن ڈھلے بہت بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ دور اندر میں تکلیف میں تھی۔ صبغت اللہ کو کوئی مہلک مرض نہ لاحق ہو یہ خیال مجھے بے چین کر دیتا تھا۔

عید کا دن ڈھل رہا تھا جب میں نے اماں کے پاس آتے ان کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے اور کہا۔

"صبغت اللہ کے گھر چلیں، اماں۔"

صبغت اللہ کو لیکر میرے جذبات سے گھر والے واقف تھے۔ میرے ساتھ اماں فوراً جانے کے لیے تیار تھیں۔

Clubb of Quality Content

ان دنوں اماں کی ٹانگ کا مسئلہ تھا۔ وہ نہر کا پل عبور کرتے قریباً سال بھر پہلے گریں تھیں اور ابھی تک مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوئی تھیں۔ تب صبغت اللہ نے ان کی جان بچائی تھی۔ وہ گہری کائی جمے پانی میں جب ہاتھ پاؤں مارتے مدد کے لیے پکار رہی تھیں تب صبغت اللہ کو اللہ نے ان کے لیے بھیجا تھا۔ میں ویسے بھی پختہ یقین رکھتی تھی کہ سارے گاؤں میں صبغت اللہ ہی بس اللہ کے سب سے پسندیدہ ہیں۔ ایک وہی ہیں جن کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ وہی ہر ایک کی مدد کے

لیے آپنچتے ہیں۔ پھر جب گاؤں سے شہر مجھے کال گئی تھی اور لوگوں نے بتایا کہ میری اماں کو بچانے کے لیے کس بہادری سے وہ نہر میں کود گئے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی تھی۔

اس واقعے کے بعد سے میں ان کے لیے مزید رحم و عقیدت محسوس کرنے لگی تھی کیونکہ اماں سے مجھے بے تحاشا محبت تھی جیسے ان سے تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اماں اور میں دونوں چُپ تھیں۔ سارا راستہ اسی چپ کی نظر ہوا تھا۔ اماں جانتی تھیں میں اداس ہوں مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ میں فقط اداس نہیں ہوں۔ مجھے صبغت اللہ سے بچپن سے ہی بہت عقیدت تھی۔ میری ساری زندگی خاندان کے بعد ایک شخص کے گرد گھومتی رہی تھی اور وہ صبغت اللہ تھے۔ اگر زندگی میں مجھے انتخاب کا موقع دیا جاتا تو میں ماہگل کی بجائے صبغت اللہ

کی زندگی منتخب کرتی۔ مجھے او جیسا بننے کا شوق تھا۔ شائد میں ہمیشہ سے صبغت اللہ بننے کی ناکام کوشش میں رہتی تھی۔

راستہ اختتام پزیر ہوا۔ میں پہلے بھی وہاں آتی تھی لیکن آج سے قبل وہ راستہ اتنا مشقت انگیز کبھی نہیں لگا تھا جتنا میرے لیے آج ہو گیا تھا۔ کبھی میں اس راستے پر عقیدت سے نظریں جمایا کرتی تھی۔

ان کے گھر کا صحن ویران پڑا تھا۔ایک طرف چند جانور باڑھ میں کھڑے تھے۔زندگی میں پہلی بار ان جانوروں کی حالت مجھے قابل ترس لگی تھی کیونکہ ان کا مالک بیمار تھا۔مالک کے جیسی ان کی خدمت کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔

وہ باڑھ بھی درخت کے سائے میں بنائی گئی تھی تا کہ ان جانوروں کو سایہ فراہم کیا جا سکے اور وہ دھوپ کی تمازت سے محفوظ رہیں۔

"اللہ کی مخلوق بے زبان ہوتی ہے ماہ گل، بول نہیں سکتی مگر تپش انہیں بھی جھلساتی ہے۔تکلیف انہیں بھی ہوتی ہے اس لیے یہ باڑھ درخت کے سائے میں ہی بنے گی۔"

ماضی میں انہی کا کہا گیا جملہ یادوں کے کئی کواڑ وا کر گیا تھا۔اداسی سے میں ان جانوروں کو دیکھتی رہی پھر اماں کا ہاتھ تھامے ہوئے اندر بڑ گئی تھی۔

گاؤں کے ہر گھر میں ماہ گل کو خوش آمدید کہا جاتا تھا۔میں وہاں کے لوگوں کے لیے نرم دل تھی اور اپنی رحم دلی کے باعث لوگوں کے دلوں میں ایک اونچا مقام رکھتی تھی۔جب سے شہر گئی تھی وہاں کے لوگ مجھے یاد کرتے تھے۔مہر یا کسی اور کے ذریعے یہ باتیں مجھ تک پہنچتی رہتی تھیں۔

مجھے وہاں صبغت اللہ کا کمرہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ان کے کمرے میں ہوا نیلا پینٹ جا بجا سے اکھڑا ہوا تھا۔کمرے میں اس قدر حبس تھا کہ سانس گھونٹ لے۔بیڈ کے ساتھ بچھی چارپائی پر ایک مرد لیٹے تھے جن کے قریب بیٹھی عورت ہاتھ سے پھنکا جھلا رہی تھی۔

کیا وہ صبغت اللہ تھے۔ہاں وہی تھے۔

اماں خاتون سے مل رہی تھیں جبکہ میرا دل ڈوب رہا تھا۔ان کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو چکا تھا۔ہڈیوں کا ایک ڈھانچا تھا جو سامنے چارپائی پر پڑا تکلیف سے کھانس رہا تھا۔ کھانسی کے ہر جھٹکے پر ان کے منہ سے خون آتا تھا جو وہ پاس رکھے ایک برتن میں تھوک دیتے تھے۔

وہ صبغت اللہ کی پرچھائی لگ رہے تھے۔اس بار میں کافی دن بعد گھر آئی تھی لہٰذا میرے لیے سب حیران کن تھا۔ ہونٹ بھینچتے میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور اماں کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”صبغت اللہ آنکھ کھول لو، ماہگل اور اس کی ماں آئی ہے۔“

انہوں نے کروٹ بدلی تو چہرہ واضح ہوا۔ داڑھی کا رنگ مزید سفید ہو چکا تھا۔ سر کے بال کافی حد تک جھڑ گئے تھے۔ بوڑھے چہرے پر زردیاں کھنڈی تھیں۔ چہرے کے ساتھ جسم کی کھال بھی لٹک رہی تھی۔

کیا وہ ان کے صبغت اللہ ہو سکتا تھے؟ وہ جس کے روشن چہرے کی گواہی سات گاؤں دیتے تھے۔ جن کی رنگت چند ماہ پہلے

سرخ و سفید تھی۔

اپنے ہاتھ میں ان کی رپورٹ پکڑے کئی بار میں نے تیزی سے دھندھلی ہوتی آنکھوں کو صاف کیا تھا۔

”صبغت اللہ کے اندرونی اعضاء گل چکے ہیں۔ وہ بس چند دن کا مہمان ہے اس کی جتنی خدمت ہو سکتی ہے کرلی جائے۔ موت کا فرشتہ کسی وقت بھی اس کی چلتی سانسیں حکم ربی سے کھینچ سکتا ہے۔“

ان کو جگر کا کینسر تھا۔ مرض کافی پھیل چکا تھا۔ اب علاج نہ ممکن تھا۔

واپس اپنے گھر میں اس چہرے کے ساتھ نہیں آئی تھی جس کے ساتھ صبغت اللہ کے گھر گئی تھی۔

زندگی اتنی مہربان تو ہوتی کہ صبغت اللہ جیسے انسان ہمشہ میرے آس پاس رہتے۔

کاش زندگی اتنی مہربان ہوتی۔

مگر زندگی ہمارے کسی کاش کی محتاج نہیں ہے۔ اس کے فیصلے ہمارے خیالات سے اکثر میل نہیں کھاتے اور جب زندگی کے فیصلے ہمارے خیالات سے وکھرے (مختلف) ہونے لگیں تو وہ بے رحم، ظالم اور بہت کچھ لگنے لگتی ہے۔

یہ سچ تھا کہ زندگی میں ایک انسان جو میں بننا چاہتی تھی تو وہ صبغت اللہ تھے۔ایک عمر میں نے ان کے جیسا بننے کی خفیہ کوشش کرتے گزار دی تھی۔ محبت کیا ہوتی ہے مجھے نہیں معلوم مگر میرے دل میں صبغت اللہ کے لیے جو عقیدت تھی، جو نرمی ہے اس درجے تک کبھی کوئی اور انسان نہیں پہنچ سکتا۔شائد کبھی کوئی پہنچ بھی نہیں پائے گا کیونکہ ہر انسان صبغت اللہ نہیں ہوتا۔ ہو بھی نہیں سکتا۔اس جیسا بننے کے لیے ریاضت درکار ہوتی ہے، کئی مسافتیں جھیلنی پڑتی ہیں، کئی لہجوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ کئی صحرائی موسم جھیلتے صبر کرنا پڑتا ہے۔ محبوب کے لیے نفس قربان کرنا پڑتا ہے۔اس کی راہ میں جانے کی سکت نہ ہو تو وجود کو گھسیٹ کر لے جانا پڑے تب بھی جانا ضروری ہوتا ہے۔ صبغت اللہ بننے کے لیے سخت جاڑے میں نہر عبور کر کے محبوب کے پاس ہر حال میں جانا پڑتا ہے،اسے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

صبغت اللہ یہ نام مجھے بہت بچپن سے ہی حیران کرتا تھا، فیسینٹ کرتا تھا اور پھر ہاں پھر وہ مجھے اکثر رولا دیتا تھا خاص کر تب جب میں نے انہیں دل سے سمجھنا شروع کیا تھا۔ کبھی مجھے وہ اس زمین پر کوئی فرشتہ لگتے تھے، کبھی کوئی رہبر تو کبھی ولی بس وہ ایک انسان جو مجھے بننا تھا وہ صبغت اللہ تھے مگر میں وہ کبھی نہیں بن پائی کیونکہ میں ماہگل تھی۔ میری روشنی الگ تھی جس کو سمجھنے میں ابھی مجھے سالوں لگنے تھے مگر صبغت اللہ جیسا بننے کی خواہش پوری طرح سے کبھی نا مٹ سکی تھی۔ وہ ہمیشہ اندر کہیں دبی رہی تھی۔

میں سات سال کی تھی جب مسجد میں قرآن پڑھتے پہلی بار میں نے انہیں غور سے دیکھا تھا۔ میں پہلے بھی گاؤں کی کسی نہ کسی گلی سے گزرتے انہیں کئی بار دیکھ چکی تھی لیکن آج میں نے ان کی تمام حرکات پر خوب غور کیا تھا۔

کچھ تھا ان میں جو بار بار دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ میں نے صبغت اللہ کی آزان سن رکھی تھی اور مسجد میں آتے جاتے بھی دیکھا تھا مگر اس دن وہ ہمارے قاری سے کوئی بات کر رہے تھے اور میں پاس ہی بیٹھی تھی۔ ان دنوں وہ قاری نئے نئے مسجد میں آئے تھے۔ مجھے شروع سے نئے آنے والے ہر قاری سے پڑھنے کا بڑا اشتیاق ہوتا تھا۔ ہر چند دن بعد کبھی میں مسجد پڑھنے چلی جاتی یا کسی اور

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نئے استاد سے گھر جا کر پڑھ لیتی تھی مگر اس بار لگاتار پندرہ دن ہوئے تھے اور ماہگل مسجد کے قاری سے قرآن پڑھ رہی تھی۔

مجھے سمجھ نہیں آتا تھا آزان وہ دیتے ہیں، سب سے نیک وہ ہیں تو وہ ہمیں قرآن کیوں نہیں پڑھاتے۔اس وقت وہ خاصی بڑی عمر کے تھے مگر جوان لگتے تھے۔ان کے گرد کوئی ان دیکھی روشنی تھی جو انسان کو باندھ لیتی تھی۔

ایک دن ہماری مسجد کے قاری چھٹی پر تھے۔سب بچے خوشی خوشی واپس جارہے تھے مگر میں رک گئی۔صبغت اللہ آج جھاڑو پکڑے رگڑر گڑکر صفائی کررہے تھے۔میں نے پہلی بار کسی مرد کے ہاتھ میں جھاڑو دیکھا تھا۔میرے لیے یہ منظر دلچسپ تھا۔میں ان کے قریب چلی گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آپ صبغت اللہ ہیں ناں؟"

وہ ہلکا سا مسکرائے،ان کی بھوری آنکھیں مسکراتے ہوئے مزید روشن سی لگتی تھیں۔

"جی،اور تم ماہگل ہو ناں۔"

وہ اسی انداز میں بتارہے تھے جس انداز میں ان سے میں نے پوچھا تھا۔

بس وہیں سے میرا پہلا باقاعدہ تعارف

صبغت اللہ سے ہوا تھا۔ پھر اگلی ساری زندگی میرے لیے بدلتی گئی کیوں کہ اس میں صبغت اللہ شامل ہو گئے تھے۔

کیا کوئی انسان اس قدر بھی متاثر کن ہوتا ہے؟ ہاں باقی انسانوں کا نہیں پتا مگر میرے لیے وہ ایک متاثر کن شخصیت تھے۔

جو لوگ اللہ کے رنگ میں رنگے ہوں ان سے بڑھ کے خوبصورت کوئی نہیں ہو سکتا۔

وہ رنگ دنیا کا سب سے خوبصورت رنگ ہے۔ سارے رنگ جھڑ جاتے ہیں، ختم ہو جاتے ہیں، مٹ کر خاک ہو جاتے ہیں سوائے صبغت اللہ کے۔ اس رنگ سے بڑھ کر واقعی میں کوئی رنگ خوبصورت نہیں ہو سکتا اور وہ اسی رنگ میں مکمل طور پر رنگے تھے۔

ان کو میرا نام کیسے معلوم تھا میں حیران نہیں ہوئی تھی۔ ماہگل کو سارا گاؤں جانتا تھا کیون

"آپ اللہ سے بہت پیار کرتے ہیں؟"

"اللہ سے کون پیار نہیں کرتا، ماہگل۔" وہ سادگی سے مسکرا دیے۔

"مگر آپ سب سے زیادہ کرتے ہیں؟"

"معلوم نہیں۔"

پہلی بار وہ مجھے تھوڑا سے برے بھی لگے تھے۔ اللہ صرف میرا ہے۔ اللہ سے سب سے زیادہ میں پیار کرتی ہوں تو بس وہ میرا ہے تو ہے۔ میرے تاثرات سخت نہیں تھے مگر شائد چہرے سے عیاں تھا کہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔

"اگر تمہیں لگتا ہے اللہ تمہارا ہے تو ایسا ہی ہے۔" میری جانب بہت غور سے دیکھتے انہوں نے کہا تھا۔

اور میں وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ کسی بھی انسان کے اندر کا حال چہرے سے جان لینا مجھے جادو سا لگتا ہے اور یہ ان کو آتا تھا۔ میرے لیے یہ بہت حیرت کی بات تھی کہ میں کیا سوچ رہی ہوں وہ جان گئے ہیں۔

"انسانوں میں سب سے خوبصورت انسان کون ہوتا ہے؟" اس دن چھٹی کے بعد میں پھر ان کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔

وہ عصر کی نماز کے بعد مسجد میں سبز چبوترے کے پاس تلاوت کیا کرتے تھے۔

میرے سوال پر وہ اٹھے اپنا مصحف طاق میں رکھا اور واپس صف پر آکر بیٹھ گئے۔

"وہ جس کا دل سب سے خوبصورت ہوتا ہے، جس کی مثبت روشنی سے دوسرے کی راہ روشن ہو۔ جو امید بانٹے اور وہ جو اللہ کے رنگ میں رنگا ہو۔ جو کانٹے ہٹانا جانتا ہو۔ جو رحم کو ترجیح دے۔ جس کی موجودگی میں دوسرے انسان کا دل بوجھل نہ ہوں۔ جو صراط مستقیم کا راہی ہو، وہی سب سے خوبصورت انسان ہوتا ہے۔"

شائد میری عمر کے کسی اور بچے کے لیے ان باتوں کو جذب کرنا مشکل ہوتا لیکن مجھے شروع سے ایسی مشکل باتوں کی بھی جلدی سمجھ آجاتی تھی۔ ہم گاؤں کے بچے بہت بچپن سے چیزوں اور رویوں کو تیزی سے سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ واقعی میں سچ تھا وہ میری عمر کے لحاظ سے بڑے جملے تھے مگر میں انہیں سمجھتے ہوئے جذب کر لیا کرتی تھی۔ مجھے ان کی باتیں کتابوں میں پڑھے جانے والے اقوال زریں کی طرح سنہری سی لگتیں تھیں۔

Clubb of Quality Content

”پھر شکل، قد، رنگ ان کا کیا صبغت اللہ؟ ان کی کوئی وقعت نہیں؟ ایک بھدے نقش والا انسان بھلے کیسے خوبصورت ہو سکتا ہے؟“

مجھے آج بھی یاد ہے وہ میرے اس سوال کو سنتے بے اختیار ہلکا ہنس دیے تھے۔ ہنستے ہوئے ان کی آنکھوں میں نمی جھلکتی تھی۔

”آپ میری باتوں پر ہنس رہے ہیں؟“ میں برا مان گئی۔

”نہیں“ یہ حیرت میں ڈوبی ہنسی تھی ان انجان لوگوں کے لیے جنہوں نے کسی انسان کو جانچنے کے لیے یہ پیمانے تشکیل دیے ہیں۔ بھلا انسان کی خوبصورتی ماپنے کا یہ کون سا آلہ ہے۔“

”اور ایسا کیوں ہے؟“

Clubb of Quality Content!

”دیکھو ماہگل تم قرآن پڑھ رہی ہو جب تم اس کو سمجھنے لگو گی تمہیں تمہارے جوابات ملنے لگیں گے پھر تمہیں کسی انسان کے پاس جا کر اپنے جوابات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کتاب میں اللہ نے خود کہا ہے اس نے انسان کی صورتیں احسن طریقے سے بنائی ہیں۔ وہ ہمیں ہماری شکل، قد، رنگت ان کے حساب سے نہیں بلکہ ہمارے تقویٰ کے مطابق جانچتا ہے۔ جو اللہ کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں وہ بھی انسانوں کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے دیکھنے کا حکم

ہے۔ان کے نزدیک بھی خوبصورت وہی ہوتے ہیں جو اللہ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔اللہ سے بڑھ کر کسی اور کی بات سچی ہو سکتی ہے؟" یہ عموماً اپنی کسی بات کے آخر میں پوچھا جانے والا ان کا پسندیدہ سوال ہوتا تھا۔

میرا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔

مجھے سوالات کی بہت عادت تھی مگر ہر کسی کے جواب ماہ گل کو پسند نہیں آتے تھے۔شائد وہ واحد شخص تھے جس کے جوابات میرے لیے خاصے تسلی بخش ہوتے تھے۔صبغت اللہ کے جوابات انسان کو اندر تک مطمئن کر دینے والے ہوتے تھے۔

بس اس دن کے بعد یہ میری زندگی کا معمول بن گیا تھا۔مسجد سے چھٹی کے بعد میں ان کے پاس آجاتی تھی اور روز سوال کرتی تھی۔

اس دنیا میں سب سے زیادہ سوالات میں نے اگر کسی انسان سے کیے ہیں تو وہ صرف

صبغت اللہ تھے اور اس دنیا میں ماہگل کے سوالوں کے سب سے زیادہ جوابات کسی نے دیے ہیں تو وہ بھی صبغت اللہ تھے۔

بس وہ ایک انسان مجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتے تھے۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

گاوں کے لوگوں کے نزدیک وہ بہت غریب تھے۔ان کا گھر کچا تھا، مٹی اور کچی اینٹوں سے بنا وہ گھر ہر گرمیوں میں لیپ کیا جاتا تو پہلے سے مزید چمکنے لگتا تھا لیکن مجھے کبھی وہ لوگ غریب نہیں لگتے تھے۔جو ان کے پاس تھا وہ گاؤں کے بڑے بڑے جاگیرداروں کے پاس بھی میں نے نہیں دیکھا۔وہ بہت غنی تھے۔لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔خواہ کیسی ہی تنگی کیوں نہ ہو ان کے ہاں ہر کھانے میں سے ایک فقیر کا حصہ لازمی نکلتا تھا۔

صبغت اللہ نے ہر رنگ و نسل کے بہت سے جانور پال رکھے تھے جن سے ان کی گزر بسر ہو جاتی تھی۔گاؤں کے اکثر لوگ ان کے گھر زکوۃ اور صدقات دیا کرتے تھے۔وہ غیور تھے، قبول نہیں کرتے تھے مگر گاؤں والے زبردستی ان کے گھر پہنچا دیتے تھے۔

وقت آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ زندگی رواں تھی اور میں تیرہ سال کی ہو چکی تھی اور ہائی سکول میں تھی مگر وقت نکال کر شام میں مسجد ضرور جایا کرتی تھی۔

اس دن یوں ہی میرا دل کیا تو ان کے گھر چلی آئی تھی۔ میں اکثر ہی ان کے ہاں چلی جاتی تھی۔ وہ سب میرا استقبال اس قدر کرتے کہ مجھے ان پر بوجھ بننے سے خوف آتا تھا۔

ہم اپنے گاؤں میں ہر کسی کے گھر چلے جاتے تھے۔ ہمارے ہاں یہ معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خوشی میں شامل ہوں یا نہیں لیکن بغیر کہے وہاں کے لوگ ایک دوسرے کے غم میں ضرور شریک ہوتے تھے۔

ان کے سارے بچے کام میں مصروف تھے مگر مجھے دیکھتے وہ سب بہت جوش سے میری طرف بڑے۔ کوئی پانی لا رہا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ سے جھولنے والا پنکھا تھا۔ کوئی بھاگ کر دکان سے بوتل خریدنے جا رہا تھا۔ وہ سارا دن میرے ارد گرد جمع ہوئے ہر ممکن میری خدمت کرنا چاہتے تھے۔ شائد وہ ہر آنے والے کے ساتھ یہ سلوک روا رکھتے تھے۔

مجھے معلوم تھا میں وہاں سے خوشی سے معمور واپس آتی۔ کچھ وقت میں وہیں ان کے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلتی رہی پھر میں جانوروں کی باڑھ کی جانب بھاگ آئی تھی جہاں سخت دھوپ میں وہ ایک بالٹی لیے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ میں ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

”صبغت اللہ آپ اتنی دھوپ میں کیوں کھڑے پانی پلا رہے ہیں، باقی سب کے ہاں تو دن ڈھلے جانوروں کو پانی پلایا جاتا ہے؟“

ان کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ سفید رنگت دھوپ کی تمازت سے سرخ پڑ رہی تھی مگر وہ ہلکا سا مسکرا رہے تھے۔ میں نے ان کو زیادہ تر مسکراتے ہی دیکھا ہے۔

”یہ اللہ کی مخلوق ہے ماہگل، دن ڈھلے تک میں انتظار کر سکتا ہوں یہ نہیں۔“

انہوں نے سادگی سے مجھے جواب دیا۔

”ایک سوال کروں؟“

”ایک سے بھلے زیادہ کر لو۔“

میری عادت ہے اکثر میں سوال کرنے سے پہلے اجازت ضرور لیتی ہوں۔

”آپ کو جانوروں سے اس قدر محبت کیوں ہے؟“

”جانوروں سے محبت کسے نہیں ہوتی ماہگل۔ شائد کچھ انسانوں کے لیے یہ اللہ کی بے زبان مخلوق ہوں گے مگر میں ان کی زبان سمجھتا ہوں تو ہماری اچھی گفتگو ہوتی ہے۔ میرے جانور میرے رزق کا سبب ہیں اور پھر جانوروں کی فطرت انسانوں کی فطرت کی طرح مایوس نہیں کرتی۔ یہ سب میرے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں اس لیے مجھے ان سے بڑا پیار ہے۔“

پہلی بار میں نے کسی انسان کی آنکھوں میں جانوروں کے لیے ادب اور اس قدر محبت دیکھی تھی۔ میں حیران ہوئی۔ شائد ہر بار میں حیران ہونے ہی ان کے پاس جاتی تھی۔

”مجھے ایسی محبت جانوروں کے لیے کبھی محسوس نہیں ہوئی۔“

بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

”کوئی بات نہیں، جانوروں میں دلچسپی نہیں ہوگی مگر تم سے بڑے انسانوں سے محبت کبھی کوئی نہیں کر سکے گا۔“

میری آنکھیں ساکن سی اٹھی رہ گئیں۔

صبغت اللہ یہ کیا کہہ رہے تھے۔

نادل کلب
Clubb of Quality Content

”میں انسانوں سے محبت نہیں کرنا چاہتی صبحنت اللہ وہ قید کر لیتے ہیں۔ قید سے ڈر لگتا ہے میں بس آپ کی طرح اللہ سے محبت کرنا چاہتی ہوں۔“

”تم سے کس نے کہا کہ میں انسانوں سے محبت نہیں کرتا؟“

ہم دونوں پاس کھڑے درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔ میں تنکے سے مٹی کھرچ رہی تھی اور وہ غور سے میری حرکات کا جائزہ لے رہے تھے۔

”آپ کبھی بھی لوگوں کے بیچ میں نظر نہیں آتے۔ گاؤں کی تقریبات میں محض چند پل کے لیے آتے ہیں۔ دوست بھی نہیں ہوں گے پھر بھی لوگ آپ سے پیار کرتے ہیں مگر۔۔۔۔“ میں خاموش ہو گئی لفظ غائب ہو گئے تھے۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

”جو اللہ سے پیار کرتے ہیں وہ اس کی مخلوق سے بھی کرتے ہیں۔ وہ رحم کرتے ہیں ماہگل۔ میں ہر ایک سے ملتا ہوں۔ ہر کسی کی تقریب میں جاتا ہوں مگر بس اتنا جتنی مجھے میرا وقت اجازت دے۔“

اوہ یعنی وہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اپنا دن، توانائی اور وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ ان کی خوشی کے لیے جو کرتے ہیں وہ کرتے ہیں۔

لوگوں کو خوش کرنااور لوگوں کی خوشی کے لیے کچھ کرنا یہ دو بہت الگ چیزیں ہیں۔ایک عزت دار انسان کو ان کا فرق ہر حال میں معلوم ہونا چاہیے۔

"مگر مجھے لگتا ہے میں انسانوں سے محبت کرنے لگی تو وہ مجھے قید کر لیں گے۔"

"تم ابھی بھی ان سے محبت کرتی ہو، اپنے خاندان سے، دوستوں سے کیا تم محبت نہیں کرتی۔ محبت کا لفظ محض دو جنسوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔میں تمہیں ایک نصیحت کروں گا۔اپنے جذبات میں توازن رکھنا ورنہ تم جس سے بھی محبت کرو گی اسے کھو دو گی۔ محبت کی زیادتی انسانوں کے لیے اکثر زہر بن جایا کرتی ہے۔اس زیادتی سے خود کو محفوظ رکھنا۔

"رحم کیا ہوتا ہے صبغت اللہ؟"

تمہارے اس سوال کا جواب ادھار رہے گا۔وہ اٹھے اور واپس اپنے جانوروں کی جانب بڑھ گئے۔

میں وہیں بیٹھے ان کی جانب دیکھتی رہی۔

"کیا واقعی میں انسانوں کی محبت میں مبتلا ہو جاؤں گی؟"

مگر مجھے نہیں معلوم تھا میں ان کی ایک یہ آج والی نصیحت بھول کر باقی ساری یاد رکھ لوں گی اور جب یہ نصیحت واپس یاد آئے گی تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

مجھے بے تحاشا خوف محسوس ہوا تھا اور میں اٹھ کر واپس اپنے گھر چلی آئی۔

ان کے ہاں جا کر ہمیشہ مجھے اچھا محسوس ہوتا تھا لیکن اس بار ایک سوال ادھار رہ گیا تھا۔ مجھے شدت سے انتظار تھا کہ اگلی شام کب ہو گی اور میں کب دوبارہ ان سے ملوں گی۔

اگلی شام وہ مسجد میں مجھے نظر نہیں آئے تھے۔ یہ ان گزرے سالوں میں پہلی بار ہوا تھا کہ صبغت اللہ مسجد نہیں آئے۔ چھٹی کے بعد وہ سارا وقت بے چینی سے میں ان کا انتظار کرتی رہی مگر وہ اپنے مخصوص وقت کے بعد بھی کافی دیر تک نہیں آئے۔

سورج ڈھلنے لگا تو تھکے قدموں سے میں نے مسجد کا دروازہ پار کر لیا۔ تب ہی میری نظر ان پر پڑی۔ سامنے سے وہ آرہے تھے۔ لیکن جانے کیوں میں ہمیشہ کی طرح ان کی طرف بھاگ کر نہیں جا پائی تھی۔

مجھے معلوم تھا کچھ عرصہ بعد میں قرآن پڑھنے مسجد نہیں آسکوں گی کیونکہ میری عمر اور قد تیزی سے بڑھ رہے تھے۔

زندگی میں پہلی بار میں نے ان کے چہرے پر عجیب تکلیف دیکھی تھی۔ وہ میرے پاس سے گزر گئے اور ان کے گزرنے سے لگتا تھا انہوں نے مجھے نہیں دیکھا مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ماہگل کے پاس سے گزریں اور اس کی جانب دیکھیں نہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یہ ہی سوچتے میں نے واپس ان کے پیچھے مسجد جانے کا ارادہ ترک کیا اور آگے بڑھ گئی۔

آج راستے میں بہت لوگ تھے۔ معمول سے بڑھ کے رش تھا۔ لوگ باتیں کرتے نہر کی جانب جا رہے تھے اور کئی وہاں دوسری جانب سے آرہے تھے جب میرے کان میں کسی کے چند جملے پڑے۔

"صبغت اللہ کا جوان بیٹا فوت ہوا ہے مگر جنازے کے بعد وہ سیدھا مسجد چلا گیا،

ہک ہا اولاد کا غم نہیں منایا اور چل دیے مسجد بھئی آج تو روتا، چار دن لوگوں کی تعزیت قبول کرنے کے لیے ہی رک جاتا۔"

قریبی درخت کا سہارا لیتے میں وہیں پگڈنڈی پر بیٹھ گئی اور وہ چند لوگ میرے پاس سے گزرتے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جملوں کی تلخی اور ڈھیروں تکلیف لیے میں نے اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرا۔

میری آنکھوں سے بہت سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ان کی نیکیوں کے گن گاتے نہیں تھکتے۔ اپنی ساری دعائیں صبغت اللہ سے کرواتے ہیں۔ درخواست کر کے ان کو اپنے لیے تہجد میں دعا کا کہتے ہیں اور اب ان کی پیٹھ پیچھے یہ سب کہہ رہے تھے۔ میرا دل بری طرح دکھا تھا۔ تب پہلی بار مجھے انسان برے لگے تھے۔ انسانوں کی ایک نئی خصلت مجھ پر عیاں ہوئی تھی مگر وہ میرا دل دکھا گئی تھی۔

تب مجھے معلوم نہیں تھا انسانوں کے کئی رنگ و روپ ہوتے ہیں کیونکہ مجھے ایک ہی رنگ معلوم تھا۔

وہی رنگ جو صبغت اللہ کا تھا۔۔۔۔۔۔

Clubb of Quality Content

شکستہ قدموں سے میں واپس اپنے گھر چلی گئی تھی۔

اگلے چند دن کسی وجہ سے میں دوبارہ مسجد نہیں جا سکی مگر ایک دن اپنے سکول کی چھٹی کے بعد گھر آتے ہی میں اماں کے ساتھ افسوس کے لیے ان کے گھر ضرور چلی گئی تھی۔

مجھے آج بھی اچھی طرح سے یاد ہے کہ وہ ہفتے کا دن اور عصر کا وقت تھا۔ پچھلے روز خوب بارش ہوئی تھی لیکن آج آسمان قدرے صاف تھا۔

اماں اندر ان کی زوجہ کے پاس چلی گئیں تھیں اور میں چپکے سے جانوروں والے حصے کی جانب آگئی۔ جانے کیوں مجھے یقین تھا وہ وہیں ہوں گے۔

"تم آگئی، ماہگل۔" میری طرف پلٹتے وہ بہت مدھم سا مسکرائے۔ آج ان کی مسکراہٹ پر سکون تھی مگر پہلے کی طرح پر جوش نہیں لگی تھی۔ پہلے والی تازگی مفقود تھی۔

''ہاں میں آئی ہوں کیونکہ اس دن آپ نہیں آئے تھے۔''

وہ جانتے تھے میں شکوہ کرنے نہیں افسوس کرنے آئی ہوں۔

''صبغت اللہ وہ آپ کی سب سے بڑی اولاد تھا آپ کو اس کا غم نہیں ہے؟'' میں نے بہت عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''میرا دل غمگیں ہے لیکن چہرہ وہ غم ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ زبان گریہ نہیں کرنا چاہتی۔''

''آپ روئے بھی نہیں ہیں۔''

''وہ میرے پاس امانت تھا ماہگل اور زندگی میں امانت دار جب بھی اپنی امانت لینے آئے اسے خوشی سے واپس کرتے ہیں، پیٹنا نہیں ڈالتے ورنہ امانت رکھوانے والے کو لگے گا نیت میں کھوٹ ہے اور کیا پتا اگلی بار وہ امانت کے لائق ہی نہ سمجھے۔''

''وہ آپ کی پہلی اولاد تھا۔''

پہلی بار میں ان کی بات سے مکمل متفق نہ ہو پائی تھی۔

''اولاد میری تھی مگر دی رب نے تھی۔ جس نے دی اس نے واپس لے لی۔ ہاں میں نے اس کی دی گئی امانت کی حفاظت کرنے کی کوشش کی تھی اور اسی کو معلوم کس قدر کر سکا ہوں۔''

''آپ کسی کو اپنی تکلیف کیوں نہیں دکھاتے؟'' ان کی آنکھوں ہلکورے لیتا درد اور پھیکی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی تکلیف مجھے نظر آچکی تھی۔

''تکلیف۔۔۔۔۔ چند پل کے لیے وہ خانوش ہو گئے۔ والدین سے بڑی اولاد کو کھونے کی تکلیف کسی کے سینے میں نمو نہیں پا سکتی۔ دل جلتا ہے، آنسو بہتے ہیں مگر شکوہ یا واویلہ کرنے کے لیے میرا ایمان اجازت نہیں دیتا۔ زخم سا ہے اللہ کی جانب سے ہے خیر ہے شفا بھی وہی دے گا۔''

میرے سارے لفظ کسی کونے میں جا سوئے اور ان کے سامنے زیادہ تر ایسا ہی ہوتا تھا۔ صبغت اللہ صبر کے کس درجے تک پہنچ گئے ہیں۔ ایک خواہش نے بے اختیار مجھے بے چین کیا۔ اگر کبھی میں اس درجے تک نہ پہنچ پائی؟ اگر کبھی میں صبغت اللہ جیسا صبر کرنے میں ناکام ہو گئی تو؟

''کیا تم نے آج تک کوئی عزیز چیز کھوئی ہے، ماہگل؟''

ان کے سوال پر میرے زہن میں بہت کچھ آیا تھا لیکن بغیر کسی خاص شے کا ذکر کرتے ایک اداس سی مسکراہٹ لیے میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

''اس چیز یا جو بھی تھا جس کو تم نے کھویا اس نے تمہارے اندر کیا بدلا۔''

"میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"ہماری تکلیفیں، نعمتیں ہر شے اللہ کی جانب سے آزمائش بن کر آتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے وہ بعض دفعہ لے کر آزماتا ہے اور بعض دفعہ دے کر کہ انسان کا ردعمل دونوں صورتوں میں کیا ہوتا ہے۔

اور ہم انسان سب سے زیادہ تکلیف سے ہی سیکھتے ہیں۔ زندگی میں جب کوئی غم بھی دیکھو تو سورہ البقرہ کی آخری چند آیات دماغ میں دہرانا۔

"لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"

اللہ کیسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ماہگل اور اللہ سے بڑ کسی کی بات سچی نہیں ہوتی۔ میری تکالیف اور آزمائشیں کسی امانت کی طرح مجھ تک آتی ہیں پھر بہت کچھ سیکھا کر کہیں اوجھل ہو جاتی ہیں۔"

"آپ کہنا چاہتے ہیں آپ کی اولاد آپ کے لیے آزمائش بنی ہے اور یہ موت کی آزمائش کچھ سیکھانے آئی ہے تو ان چار دنوں میں آپ نے کیا سیکھا؟"

"مزید توکل، صبر۔۔۔۔۔"

اس دن میں وہاں سے سبق کا ایک نیا درجہ سیکھ کر گئی تھی۔ ویسا صبر ویسا توکل پھر میں نے کبھی کسی انسان میں نہیں دیکھا۔

میں نہیں جانتی تھی کئی سال بعد مجھے بھی ایسا ہی صبر کرنا پڑے گا مگر۔۔۔۔۔۔

ناولز کلب

کئی دن کی چھٹیوں کے بعد بلا آخر میں مسجد آئی تھی۔ وہ اپنے معمول کے مطابق مسجد کی صفائی مکمل کرتے اپنا مصحف کھولے ہوئے تھے۔ ہر چند دنوں بعد ہمارے قاری ان سے بچوں کو درس دینے کا کہتے تھے اور یہ بھی ان دنوں میں سے ایک ایسا ہی دن تھا جب انہیں ہمیں درس دینا تھا۔ ان کے لہجے میں اس قدر تاثیر ہوتی تھی کہ بے زار بیٹھے سارے طلبہ بہت شوق سے سنا کرتے تھے۔

اپنی تلاوت مکمل کرنے کے بعد چھٹی سے چند منٹ پہلے باہر آکر وہ ہمارے قاری کے ساتھ سامنے بیٹھ گئے تھے۔ان کے دونوں اطراف لمبی صفحیں تھیں جن کے سامنے لکڑی کی پٹھیوں پر سب اپنے مصحف اور نورانی قائدے کھولے ہوئے تھے۔

"کسی نے مجھ سے سوال کیا تھا رحم کیا ہے؟ میں کوشش کروں گا اس کو سمجھا سکوں۔اللہ آپ سب کے اور میرے علم میں برکت دے۔

رحم اللہ کی صفت ہے۔اس نے خود کو رحمان ور حیم کہا ہے۔ ہمارا رب بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ ہم اس جیسا رحم نہیں کرسکتے لیکن ہم کوشش ضرور کرسکتے . ہیں۔لوگ تمہیں خدا کے قہار ہونے سے ڈرائیں گے مگر تم سب اس کے

Clubb of Quality Content

رحمان ور حیم ہونے پر یقین رکھنا۔دنیا نفس پرستی میں ڈوب کر کئی بار خودغرضی کے درجے سکھانا چاہے گی مگر تم سب رحم کا اول درجہ ہی منتخب کرنا۔کسی انسان سے نرمی سے پیش آنا، کسی کا دل نہ دکھانا، کسی کے حق سے بڑھ کر اس کے لیے کچھ کر دینا یہ احسان ور حم میں آتا ہے۔اللہ کی مخلوق کے ساتھ جو رحم کا معاملہ کرتے ہیں وہ اللہ کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔رحم دلی وہ صفت ہے جو انسان کی نجات کا باعث بھی بن سکتی ہے لیکن سب سے پہلے خود پر رحم کرنا سیکھنا۔

انسان جب خود پر رحم کرنا سیکھ جاتا ہے تو ہی وہ دوسرے انسانوں پر رحم کرنے لائق بنتا ہے۔ خود کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے والے کسی اور انسان کے ساتھ رحم نہیں کر سکتے۔" وہ چند منٹ رحم پر درس دیتے رہے پھر آخر میں پوچھا۔

"کسی کا کوئی سوال؟"

"انسان کے لیے کچھ چیزوں پر رحم کرنا اس کی عفو درگزر کی حثیت سے کئی گنا بڑھ کر ہوتا ہے پھر وہ کیا کرے؟"

"اللہ ہمیں مجبور نہیں کرتا ماہگل۔ جن چیزوں کے لیے تم خود کو نہ تیار کر سکو ان کو اختیار نہیں کیا کرو۔ اپنے مسائل اللہ کے حوالے کر دینے سے انسان کا وجود جو راحت اخذ کرتا ہے ناماہگل وہ ناقابل بیان ہوتی ہے۔"

وہ سب کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ "کیا تم سب اپنی زندگی میں رحم کو چنو گے کیونکہ یہ رحمان کی صفت ہے۔"

سب نے بلند آواز میں گردنیں ہلاتے یک زبان ہو کر کہا تھا۔

"ہم لوگوں پر رحم کریں گے صبغت اللہ، ہم اللہ کی مخلوق کے لیے قہر نہیں بنیں گے۔

کسی نے پہلی بار میرا دل بہت بری طرح سے دکھایا تھا۔مجھے شروع سے ہی ہر ایک سے محبت ملی تھی لیکن پہلی بار کسی نے محبت کے نام پر ماہگل کے سینے میں خنجر گھونپا تھا اور اس خنجر کا پہلا وار دوست کی جانب سے ہوا تھا۔وہ دوست نہیں تھی مگر مجھے تب دوستیوں کی اتنی سمجھ نہ تھی۔

میں اب مزید بڑی ہوگئی تھی۔کالج ختم ہو رہا تھا اور میں مسجد نہیں جاتی تھی۔گھر پر کسی سے قرآن پڑھ لیا کرتی تھی۔میں کئی سالوں تک وقفے وقفے سے مختلف لوگوں کے پاس قرآن پڑھنے جاتی رہی ہوں۔میری ساری زندگی میں ایک یہ ہی چیز مشترک رہی ہے بار بار قرآن کی جانب پلٹنا۔

میں لوگوں سے تعلق میں بہت گہرائی میں چلی جایا کرتی تھی خواہ کسی بھی نوعیت کا تعلق ہو میرے لیے انسانوں پر گو اَپ کرنا خاصہ مشکل ہوتا ہے۔

میں نہر کنارے بیٹھ کر گھنٹوں بہتے پانی کی روانی کو تکا کرتی تھی۔ وہ منظر میرے لیے دنیا کا سب سے خوبصورت منظر ہوتا تھا۔ نہر، اس کے بہتے پانی کا شور، پرندوں کی چہچہاہٹ، کھلی ہوا، خوشبو، کھیت کھلیان، بوڑھے پیڑ ان کے پاس تنہا بیٹھی میں۔ کوئی میرے ساتھ آ کر بیٹھا تھا۔ مجھے ان کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا مگر میں نے ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ شائد وہ نہر کا پل عبور کرتے زندگی میں پہلی بار یوں کسی کے لیے رکے ہوں گے۔

”تم اداس ہو؟“

”ہاں میں اداس ہوں صبغت اللہ، شائد میں تھک گئی ہوں۔“

”وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“

”مجھ سے کسی کو معاف نہیں کیا جا رہا۔“

”کیا اس نے معافی مانگی ہے؟“

”خود سے نہیں مانگی۔ میں نے پاس جا کر احساس دلایا کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے تب ہی معافی مانگی تھی۔“

""میں جانتا ہوں ماہگل تم ہر ایک کو ہمیشہ سے معاف کرتی آئی ہو لیکن اس دفعہ کچھ ایسا ہے جو معاف نہیں کیا جا رہا۔""

""جی"" میں نے یوں ہی سر جھکائے ہوئے ہلکا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

""کئی سال پہلے تم نے کہا تھا کچھ چیزیں معاف نہیں کی جا سکتی کچھ چیزوں پر انسان رحم نہیں کر پاتا کیونکہ وہ ہماری عفو در گزر کی وسعت سے کہیں باہر نکل جاتی ہیں۔ شائد اب بھی کچھ ایسا ہی ہو گا۔""

""آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟""

""میں تمہاری جگہ نہیں ہوں ماہگل، ہمارے حالات مختلف ہیں۔

""لیکن میں جانتی ہوں آپ معاف کر دیتے کیونکہ آپ صبغت اللہ ہیں، جن کو معاف کرنا آتا ہے۔""

وہ خاموش رہے تھے۔ پھر چند لمحوں بعد میں نے ان کے لبوں کو ہلتے دیکھا۔

""ہمارا مذہب ہمیں معافی اور رحم کا درس دیتا ہے مگر وہ ہمیں اس پر مجبور نہیں کرتا ماہگل۔ وہ ہمیں انتخاب دیتا ہے ہم چاہیں تو معاف کر دیں چاہیں تو برابری کا انتقام لیں یا پھر۔۔۔۔۔۔۔

اللہ پر چھوڑ دیں کے وہ ہمارے ساتھ کی گئی زیادتی پر انصاف کر دے۔ ظالم سے ہمارا انتقام اللہ کے حوالے مگر مجھے بہت ڈر لگتا ہے کسی انسان کی گئی زیادتی اللہ کے حوالے کر دینا اس لیے معافی میرے لیے آسان ہے۔"

"مجھے کسی نے کہا ہے کہ جب مجھ سے کچھ غلط ہو جاتا ہے تو میں اللہ سے کس منہ سے معافی مانگتی ہوں جب میں اس کے بندوں کو معاف نہیں کرتی تو اس کے سامنے جا کر کیوں معافی مانگتی ہوں۔" میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔

"اس نے یہ کہہ کر زیادتی کر دی ہے ماہگل۔ اللہ نے بندوں کے حقوق ایک دوسرے پر رکھے ہیں تو معافی کا اختیار بھی دیا ہے۔ جس نے یہ کہا ہے وہ اپنے رب کو انسانوں جیسا سمجھتا ہے۔ اللہ نے آزادی اور انتخاب دیا ہے چاہو تو خود پر کی جانے والی زیادتی معاف کر کے عظمت کا درجہ پالو اور اگر نہ بھی معاف کر سکو تو بھی اس پر تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔ بندے کا ساتھ تمہارا معاملہ بندے کے مالک نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے اور اپنے ساتھ معاملہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ تم عبادت بھی کر سکتی ہو، اپنے لیے رحم بھی مانگ سکتی ہو اور معافی بھی کیونکہ وہ ہمارا رب ہے ماہگل اور اس کو انسانوں جیسا سمجھنے والے خسارے میں رہتے ہیں۔"

"مگر ہم معاف نہ کریں اور اللہ کر دے وہ تو ایسا کر سکتا ہے نا۔"

”بے شک وہ سب معاف کر سکتا ہے مگر اس کے کچھ اصول ہیں جو اس نے وضع کیے ہیں جن پر دنیا قائم ہے۔انسان اپنے ساتھ کی گئی زیادتی معاف نہ کرنا چاہے تو وہ بھی معاف نہیں کرتا۔“

”کبھی کبھار زندگی میں کوئی سچے دل سے شرمندہ ہو، توبہ کر چکا ہو اور معافی کا طلب گار ہو مگر اسے انسان معاف نہ کرے کیونکہ وہ اس کے ہاتھوں سب گنوا چکا ہو تو؟“

”ہمارے دین میں مایوسی جائز نہیں ہے۔کیا پتا جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو اسے پھر

دنیا و آخرت میں اتنا کچھ عطا کیا جائے کہ وہ خوش ہو جائے۔اس کے زخم بھر دیے جائیں۔اس کے گرد رحمتوں اور نعمتوں کے انبار ہوں اور بدلے میں اللہ اس ایک شخص کو معاف کر دے جو معافی کی تلاش میں کئی صحراؤں کی خاک چھان چکا ہو۔جس کی توبہ کے فرشتے گواہ ہوں۔

”رحمان معاف کر دیتا ہے مگر اس کے بندے نہیں کرتے یہ جس کہا ہے سچ کہا ہے۔“

ایک اداس مسکراہٹ نے میرے لبوں کو چھوا تھا۔

”ماہگل تم معاف نہیں کرنا چاہتی اور چاہتی ہو اللہ بھی اسے معاف نہ کرے۔“

ایک جھٹکے سے میرا سر اوپر ہوا اور میں نے ان کی جانب دیکھا۔

”اربوں انسانوں میں سے کوئی ایک آدھ ہی وہ خوشنصیب ہوتا ہے ماہگل جو واقعی میں شرمندہ ہوتا ہے۔ ندامت کے آنسو جس کا دامن نہیں چھوڑتے۔ وہ صحراؤں کی خاک چھانتا ہے۔ اپنی غلطیوں کے ازالے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ وہ معافی نہ ملنے پر یہ نہیں سوچتا کہ فرض پورا ہو گیا ہے۔ وہ کئی سال اسی ریاضت میں لگا دیتا ہے کہ کسی طرح اسے معافی مل جائے اور ہر کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ لوگ جلد تھک کر واپس اپنی زندگی میں مگن ہو جاتے ہیں۔“

کئی آنسو میرے گال بھگو چکے تھے۔ ”مجھے نہیں پتا صبغت اللہ یہ غلط ہے یا صحیح مگر کچھ چیزیں مجھ سے معاف نہیں ہوتیں، میں ان لوگوں سے بدلہ بھی نہیں لیتی مگر میں سوچتی ہوں جب زمین پھٹ جائے گی، ساتوں آسمان برابر ہو جائیں گے۔ اللہ کے عرش کے نیچے عدالت لگے گی۔ سب انسان برابر ہوں گے تب میں ان لوگوں سے حساب لوں گی جنھوں نے میری زندگی میں اندھیرے بھرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سب بہت خوفناک سا لگتا ہے، دل لرزا دینے والا مگر میں ایسا ہی سوچتی ہوں۔ کسی کا دل میں زخمی نہیں کرتی تو کوئی میرا کیوں کرے۔ میں کسی سے زیادتی نہیں کرتی تو کوئی میرے ساتھ کیوں کرے اور اگر پھر بھی کوئی کرے گا تو حساب دے گا۔“

Clubb of Quality Content

میں وہاں سے بغیر کسی بوجھ کے اٹھی تھی۔ میرے دل میں انی کی مانند گڑی ایک الجھن سلجھ چکی تھی۔ وہ بوڑھے ہو رہے تھے اور میں مزید جوان مگر ہماری گفت وشنید آج بھی ہو جایا کرتی تھی یہاں تک کے میں شہر چلی گئی۔

شہر جاکر زندگی بدل گئی تھی مگر میں وہی پرانی ماہگل تھی۔ شروع میں وہاں مجھے لوگوں کی چلاکیاں سمجھ نہیں آتی تھیں۔ میں خاموش ہو جاتی تھی۔ کسی کا دل نہ دکھے یہ سوچ کر حق چھوڑ دیتی تھی، راہ بدل جاتی تھی مگر آہستہ آہستہ میں سب کچھ سمجھنے لگی تھی۔ کسی کا دل دکھے اس خوف سے ہمیں اپنے جائز حق کو کبھی قربان نہیں کرنا چاہیے۔ اگر لوگوں کے دل اتنے نازک ہیں کہ کسی کی سچی اور حق بات پر دکھتے ہیں تو انہیں اپنے دلوں کے علاج کی ضرورت تھی نہ کہ مجھے خاموش ہونے کی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

صبغت اللہ نے کبھی موبائل فون استعمال نہیں کیا تھا۔ ہمارا رابطہ فقط میری گاؤں واپسی کے ساتھ ہی مشروط ہو گیا تھا۔ جب زندگی اور شہر کے لوگ میرے دل و دماغ کو تنگ پڑنے لگتے تھے میں واپس ان کے باتوں میں جا کر پناہ تلاش کرتی تھی۔

وہ کبھی کسی تعلیمی ادارے میں نہیں گئے تھے مگر انہیں کچھ کچھ عربی آتی تھی اور سارے جہان کا علم مجھے لگتا تھا بس صبغت اللہ کے پاس ہے۔ ایک بار میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ وہ اپنے علمی شوق کے باعث ٹوٹی پھوٹی اردو میں کتابیں پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک دن میں نے ان کے ہمسائے میں

صبغت اللہ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تو اتفاقاً اس دن وہ بھی وہیں تھے۔

سلام اور حال احوال کے بعد انہوں نے پوچھا تھا کیسی ہو ماہگل ؟

اور میں ہلکا سا ہنس دی۔

”انسان کو دل سے مسکرانا چاہیے نا کہ اتنا کرب زدہ ہنسنا چاہیے۔“

”وہ میلوں دور سے بھی میرے لہجے کا گیلہ پن پہچان گئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''صبغت اللہ یہاں کے اکثر لوگ وہ نہیں ہیں جو نظر آتے ہیں۔ان کے نزدیک میں بری ہوں کیونکہ میں ان کے اصولوں کے مطابق نہیں چلتی اور میرے نزدیک وہ برے ہیں کیونکہ وہ اپنی روش اور دل شکن باتوں سے مجھے بوجھل اور چھوٹا محسوس کروانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کیونکہ میں گاؤں سے ہوں۔''

''ماہگل ایک سوال کروں؟''

آج انہوں نے مجھ سے میرے انداز میں پہلی باریوں پوچھا تھا۔ میں ٹھٹھکی تھی مگر جواب ہاں میں دیا تھا۔

''تم تھک کر ان کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرنے لگی ہو جو وہ کرتے ہیں؟''

بے اختیار موبائل میرے ہاتھ سے چھوٹنے کر گرنے لگا تھا۔

''جی'' چند لوگوں کے ساتھ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی تھی اس لیے میں نے ان کو سچ ہی بتایا تھا۔

"ایسا نہیں کرتے ماہگل۔ انسان شہر بدلے، لوگ بدلے کچھ بھی کرے مگر اس کو اپنا اصل نہیں کھونا چاہیے۔ اپنا اصل کھو دینے والے آخر میں اپنی شخصیت بھی کھو دیتے ہیں پھر وہ ساری عمر بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔"

اس دن کے بعد میں نے زندگی کو ایک اور رنگ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسی میں پہلے تھی پھر سے ویسی ہی ماہگل بن گئی۔ لوگ مشکلیں کھڑی کرتے تھے تو میں انہیں اپنی سمجھ سے آسانی میں بدل لیا کرتی تھی۔ وہ شہر اس دن کے بعد پھر مجھے کبھی اپنے رنگ میں نہیں رنگ پایا تھا۔ شائد وہاں کے لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ ماہگل کو شہروں سے ڈر بھی لگتا ہے۔ جانتے تو ہنستے اور میں کسی کو خود پر ہنسنے نہیں دیتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ مجھے اکثر یاد آتے تھے کیونکہ میرے دوست بہت کم تھے۔ حیران کن بات تھی کہ میرا حلقہ احباب بہت وسیع تھا لیکن قریبی دوست بہت ہی کم تھے۔ میں خود کو لوگوں کا دوست کہتی ان کی مدد کرتی، صبغت اللہ کے پڑھائے رحم دلی کے سبق یاد رکھتی مگر واپسی میں ان لوگوں سے یہ توقعات نہیں لگاتی تھی۔ گھر والوں کے بعد صبح اٹھتے ساتھ ہی پہلا خیال صبغت اللہ کا آتا تھا کیونکہ وہ مجھے مسائل کا حل جس طریقے سے بتاتے تھے پھر کبھی کوئی نہیں بتا سکا۔

ان کی یاد میرے دن کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھی جس کے بغیر دن نہیں گزرتا تھا۔

وہ شائد آخری بار تھا جب میں ان سے مل رہی تھی اور مجھے اس کا اندازہ بہت بعد میں جا کر ہوا تھا۔

وہ بستر مرگ پر احادیث سنا رہے تھے۔ان کی آواز مدھم تھی مگر مجھے سمجھ آ رہی تھی۔

ایک دفعہ بحرین سے بہت سامال آیا تو انصار خوش ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور اطلاع دی تب انہوں نے پتا ہے ماہگل کیا فرمایا تھا۔

"اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر کا ڈر نہیں ہے، لیکن مجھے تم پر اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، پھر تم اس کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ جیسا تم سے پہلے لوگ اس کی محبت میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ دنیا تمہیں ہلاک کر دے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا۔"

انہیں مسلمانوں پر فاقوں کا غم نہیں ہوتا تھا جتنا اس بات پر کہ ہم دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر حرام و حلال کی تمیز کھو بیٹھیں۔ میری نصیحت کبھی نہیں بھولنا دنیا کے عوض اپنی آخرت کا سودا کبھی مت کرنا ماہگل۔ پھولوں کی خواہش میں کانٹوں سے دامن نہیں بھرتے۔"

اس دن میں ان سے کئی احادیث سن کر واپس لوٹی تھی۔ میرے امتحانات تھے اور میں گاؤں مزید نہیں رک سکتی تھی۔ بھاری دل کے ساتھ میں شہر واپس چلی گئی۔

"اماں صبغت اللہ کیسے ہیں؟ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" شہر جانے کے بعد ہر فون کال پر میرا پہلا سوال یہ ہی ہوتا تھا۔

وہ یا تو خاموش ہو جاتی تھیں یا پھر سب صحیح ہے کی اطلاع دیتیں اور بات بدل دیتی تھیں۔

ایک پرچہ گزرا، دوسرا اور پھر کئی دن گزرتے گئے۔

اس دن بارش ہو رہی تھی اور میں اپنے کمرے سے باہر اینٹرس پر بیٹھی تھی۔ ہوسٹل کا بھورا گیٹ بند تھا۔ جس کے پاس کئی مختلف قسم کے پودے اندر کی طرف لگے تیز بارش اور ہوا کے باعث جھول رہے تھے۔

مجھے بارش نہیں پسند تھی مگر میں وہیں بیٹھی رہی۔ گھر سے صبح و شام مجھے لازمی فون جایا کرتا تھا اور وہ بھی مجھے معمول کی ایک فون کال لگی تھی۔

ابا مجھ سے چند ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

''ماہگل دو دن پہلے صبغت اللہ کا انتقال ہو گیا ہے۔'' اور میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ ابا تسلی دیتے رہے پھر خراب موسم کے باعث لائن منقطع ہو گئی تھی۔

''صبغت اللہ مر گئے ہیں واقعی میں، وہ مر کیسے سکتے ہیں؟'' کئی گھنٹے خالی الزہنی کی حالت میں وہیں بیٹھے بیت گئے۔

میں رو بھی نہیں رہی تھی مگر ڈپریشن کا ایک طویل دورانیہ مجھے نگلنے کو تیار تھا۔ میں ایک عام انسان کی کمی بھی محسوس کر لینے والوں میں سے ہوا کرتی تھی اور صبغت اللہ۔۔۔۔۔۔

وہ کوئی عام انسان نہیں تھے۔ میری زندگی کئی سال ان کے گرد گھومتی رہی ہے اور میں ان کا چہرہ آخری بار نہیں دیکھ سکی یہ خیال روح تک میں ازیت بھر دینے کے لیے کافی ہوتا تھا۔ وہاں اس شہر میں میرے کوئی خاص دوست نہیں تھے، کسی سے میں اپنا غم بیان نہیں کر سکتی تھی۔ اگلی صبح میں گاؤں واپس آ گئی۔ اس بار میں بھاگ کر کسی

رشتے دار کے ہاں نہیں گئی تھی۔ چھت پر چڑھ کے مسجد کو بھی نہیں دیکھا تھا یہاں تک کے میں صبغت اللہ کے گھر بھی نہیں گئی تھی۔

میں خاموش تھی۔ کئی دن اسی خاموشی میں کٹ گئے۔

ایک دن اچانک میری آنکھ کھلی تو وہ تہجد کا وقت تھا۔ میں اٹھ کر باہر آگئی۔ پھر دروازہ کھولتے آدھی رات کو میرے قد خود بخود نہر کی جانب بڑھنے لگے۔

گرمیوں کے دن تھے۔ لوگ باہر صحن میں یا چھتوں پر سو رہے تھے۔ میرے گھر کے گیٹ کے سامنے سے لیکر نہر تک کچی سڑک بنی ہوئی تھی جس کے ارد گرد جوار کے کھیت تھے اور میں اس راستے پر بغیر کسی خوف کے چلتی جارہی تھی۔ گیدڑوں کے چیخنے کی آوازیں، کتوں کا بھونکنا کچھ بھی خوف نہیں دلا رہا تھا۔

نہر کے قریب جاکر میں رک گئی۔ چاند کا عکس پانی میں نظر آرہا تھا۔ گھاس اور پتوں کے ساتھ نہر عبور کرنے کے لیے بنائی گئی عارضی گزر گاہ میرے سامنے تھی۔ وہ گزر گاہ عبور کرتے پچھلے چالیس سالوں سے صبغت اللہ دوسری جانب سے ہمارے ہاں مسجد کے لیے آیا کرتا تھا۔

زمین پر دوزانوں بیٹھتے بے آواز میں رو رہی تھی۔ باقی سب کا معلوم نہیں مگر۔۔۔۔۔۔

صبغت اللہ کا یوں میری زندگی سے چلے جانا وہ خسارا تھا جس کی بھرپائی تا عمر ممکن نہیں تھی۔

"ایک بار کہیں سے آجائیں صبغت اللہ، بس ایک بار۔۔۔۔۔ میں آپ سے جی بھر کے باتیں کر لوں، بس ایک بار میں آپ سے وہ سب کہہ لوں جو کسی سے کہا نہیں گیا۔ صرف ایک بار واپس آجائیں صبغت اللہ۔"

میرے دل سے آہیں نکل رہی تھیں۔

کئی لمحے میں یوں ہی بیٹھے روتے ہوئے انہیں بلاتی رہی تھی مگر آج وہ میرے کسی سوال کا جواب دینے کے لیے موجود نہیں تھے۔ اب دوبارہ کبھی وہ ہوں گے بھی نہیں یہ خیال ازیت ناک حد تک جان لیوا تھا۔

میں خالی ہاتھ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لباس خاک آلود ہو رہا تھا۔

شائد نہر کا پانی، اس پر پڑتا چاند کا عکس، بوڑھے پیڑ وہ سب میری بے بسی کو دکھ سے دیکھ رہے تھے۔ اس رات فجر تک وہاں بیٹھے میں بس روتی رہی تھی۔

صبغت اللہ کی موت کیسے ہوئے تھی۔ وہ بیمار تھے۔ان کے جسمانی اعضا گل چکے تھے جن کی بروقت تشخیص نہیں کی گئی تھی مگر وہ اپنی بیماری کے باعث نہیں مرے تھے۔

وہ گرمیوں کی ایک حبس زدہ سی رات تھی۔

تہجد کے وقت ہمیشہ کی طرح سارے گاؤں میں اٹھنے والے وہی واحد شخص تھے۔پرانے مگر صاف ستھرے لباس میں وہ آہستگی سے نہر کی جانب چل رہا تھے۔ان کے لیے وہ جانے پہچانے راستے تھے۔کئی سال سے ان کے قدموں سے آشنا تھے۔ کھڑے ہو کر وہ پل عبور کرتے ان کے قدم لڑکھڑاتے تھے اس لیے وہ اب بچوں کی مانند گھسٹ کر اسے پار کیا کرتے تھے۔وہ پل آئے روز ٹوٹا ہوتا تھا مگر اس کی مرمت کر لی جاتی تھی۔

بس تھوڑا سا مزید آگے اور پھر پل عبور ہو جاتا۔لبوں پر دعا جاری تھی اور دل میں بے تحاشا سکون۔

اپنا وجود ایک جھٹکے سے مزید آگے کرتے وہ نہر کا پل عبور نہیں کر پائے تھے۔

اس رات پل کی عارضی مرمت نہیں ہوئی تھی۔ ٹوٹا حصہ گھاس کے اوپر ہونے کے باعث نظر نہیں آسکا تھا۔ جہاں شگاف تھا اس کے نیچے پانی کی گہرائی زیادہ تھی جس میں وہ سیدھا جا گرے تھے۔۔

اور میں یعنی ماہگل ایک آخری بار ان کے گھر گئی تھی۔ وہاں صبغت اللہ کے سارے جانور درختوں کے نیچے لکڑی سے بنائی گئی باڑ میں بندھے تھے۔ چیزیں اپنی جگہ پر تھیں مگر ان چیزوں کا مالک وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

صبغت اللہ نے ساری زندگی میں شائد کوئی نماز اور تہجد قضا نہیں کی۔ میں کبھی ان سے یہ نہیں کہہ سکی کہ میں ان سے کس قدر متاثر ہوں شائد وہ خود ہی ہمیشہ سے جانتے تھے۔ زندگی میں بہت کچھ ایسا تھا جو مجھے گاؤں کے ان پڑھ صبغت اللہ نے سکھایا تھا۔ جو شہر کے بڑے اور مہنگے ترین تعلیمی ادارے سیکھانے میں ناکام تھے وہ سب ماہگل نے صبغت اللہ سے سیکھا تھا۔ وہ میرے لیے کیا تھے کبھی کوئی نہیں سمجھ پائے گا۔

میں کبھی ان کی قبر پر نہیں گئی۔ وہ آج بھی یاد آتے ہیں خصوصاً جب زندگی میں چاروں جانب اندھیرا محسوس ہونے لگے۔ جب دل دکھنے لگے، جب الجھنیں کسی سے بھی سلجھ نہ پائیں اور جب میں بے حد تھک کر رات کے آخری پہر میں تنہا رونے لگ جاؤں تب تب صبغت اللہ بہت یاد آتے ہیں۔

میں ان جیسا بننے کی چاہ میں کبھی ان جیسا نہیں بن پائی۔

وقت کے ساتھ مجھے یقین ہو گیا تھا ہم کبھی کسی دوسرے انسان کے جیسا نہیں بن سکتے کیونکہ ہم سب مختلف ہوتے ہیں مگر ہم اچھے لوگوں کی کئی اچھی عادتیں اپنا لیتے ہیں۔ وہ ہماری یادوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ رہ جاتے ہیں۔ دماغ ان کے نقوش بھلے دھندلا دے مگر ان کی یادیں وقت کی تیز رفتاری کے ساتھ بھی مدھم نہیں پڑتیں۔

کیونکہ کچھ لوگ اس لائق ہوتے ہیں کہ ان کو ہمیشہ یاد رکھا جائے اور صبغت اللہ کو بھی ماہگل اگی ساری زندگی یاد رکھنے والی تھی۔

زندگی ان کے بعد ویسی نہیں رہی تھی مگر ایک کاش تھا کہ

کاش وہ پل پکا ہوتا۔۔۔۔۔۔

اے کاش۔۔۔۔۔۔

صبغت االلہ کی کون سی عادتیں ماہگل نے ساری زندگی کے لیے اپنائی ہوں گی؟

کیا وہ دوبارہ شہر جا کر گاؤں واپس آئی ہو گی؟

کیا زندگی میں پھر دوبارہ ملنے والے کسی شخص میں اس نے صبغت اللہ کو تلاش کرنے کی ناکام کوشش کی ہو گی؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کسے معلوم ہو گا؟

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842